خواب رنگ

عطاء اللہ عزیز

"خواب رنگ" ایک نہایت حساس، متجسّس اور متلاشی شاعر کا مجموعۂ کلام ہے۔ عطآء اللہ عزیز کی غزل روایت کی امین و پاسدار ہونے کے ساتھ ساتھ ہمارے عہد کی اردو شاعری کو انسانی اور کائناتی حوالے سے نہ صرف اَن دیکھی اور اَن سنی نئی جہتوں سے روشناس کراتی ہے بلکہ اُسے تخلیقی لحاظ سے ایک ایسا جدید ترین لہجہ بخشتی ہے جس میں ملائمت و نرمی، شگفتگی و شائستگی، محبت و خلوص، تخیل و مُشاہدہ، غور و فکر اور اظہار و ابلاغ اچھوتے رنگ اُجاگر کرتے ہیں۔

داخلی طور پر عطآء کا فکری نظام اپنے خارج سے گُتھم گُتھا ہونے کی بجائے بغلگیر دکھائی دیتا ہے جس میں جتنے سوال اُٹھتے ہیں، اُتنے ہی جواب آتے ہیں۔ وہ اپنے اندر کی خاموشی، تنہائی اور محرومی جیسی کیفیات پر گونہ رنگ خوابوں کی بنیاد رکھتے ہیں جن کی تعبیر کی تلاش میں سرگرداں وہ اپنے باہر کائنات کی بے کراں وُسعت کا گوشہ گوشہ چھانتے بھٹکتے محض واقعاتی ماحول کا شکار نہیں ہوتے بلکہ دیدہ دانستہ اُس تبدیلی کی جستجو کرتے ہیں جو انسان اور کارخانۂ قُدرت کو ذہنی و جسمانی ہم آہنگی بہم پہنچائے۔

دیکھتے ہیں کہ ہمارے سکہ بند نقاد "خواب رنگ" کی صورت اُردو شاعری خصوصاً غزل پہ نکھری اس تازگی پرلُس سے مَس ہوتے ہیں کہ نہیں......!!

ناشر: اسد ملک

گوجرانوالہ، فروری ۲۰۰۳ء



نام : عطاءاللہ

قلمی نام : عطاءاللہ عزیز

تاریخ پیدائش : یکم جون ۱۹۴۳ء

جائے پیدائش : گوجرانوالہ

تعلیم : ایم اے، اسلامیات،
پنجاب یونیورسٹی

پیشہ : سینئر اکاؤنٹس آفیسر (ریٹائرڈ)
پاکستان ریلوے

پتہ : ۳-احمد پورہ، گوجرانوالہ، پاکستان

ٹیلیفون : ۹۲-۰۴۳۱-۲۳۸۵۲۲

0092 55 4238522

خوابِ رَنگ

خواب رنگ

عطاء اللہ عزیز

Publishers:

Aim Publications

4th Floor, # 1, Din Plaza, GT Road, Gujranwala, Pakistan

Tel & Fax: +92-(0431) 844774

Email: asadm80@hotmail.com

کتاب: ...... خوابِ رنگ
مصنف: ...... عطاءاللہ عزیز
اشاعت اوّل: ...... فروری ۲۰۰۳ء
کمپوزنگ: ...... ایم پبلیکیشنز، گوجرانوالہ
ناشر: ...... اسد ملک، ایم پبلیکیشنز، ...... گوجرانوالہ
مطبع: ...... شرکت پرنٹنگ پریس، لاہور
تعداد: ...... گیارہ سو
سرورق: ...... ہُما نصر

قیمت: 120.00روپے

Publishers:

Aim Publications

4th Floor, # 1, Din Plaza, GT Road, Gujranwala, Pakistan

Tel & Fax: +92-(0431) 844774

Email: asadm80@hotmail.com

انتساب

اپنے بھائی

قاری نعیم الحق (مرحوم)

کے نام

فہرست

☆☆☆☆☆

معلُوم سے نامعلُوم کا سفر......!

لفظوں اور حرفوں کو تخلیق کرنا، اُن کو معنی دینا، اُن سے غم یا خوشی لینا آسان کام نہیں۔ ویسے تخلیق کے لمحے بہت تنہا، اُداس کر دینے والے اور تکلیف دہ ہوتے ہیں مگر جیسے بھی ہوں تعبیر میں خوبصورت ہوتے ہیں۔ شاعری خواہ رومانی ہو، واقعاتی یا محاکاتی، بہرحال زندگی کی سچائیوں کا مُرقّع ہوتی ہے، احساسات و کیفیات کا مجموعہ ہوتی ہے۔ وہ زندگی پر تنقید بھی ہوتی ہے اور زندگی کی تعمیر بھی......! ایسی تنقید جو قاری یا سامع میں فکری نہج اور عملی تحریک پیدا نہیں کرتی وہ محض دَاخلیّت کی پیداوار ہوتی ہے۔ شاعری کا تعلق اگرچہ داخلی وَجدان سے بھی ممکن ہے مگر دَاخلیّت خارجیّت کے رَدِعمل کا نام ہے۔ اس طرح ہر دو عوامل کے متوازن امتزاج سے جو لہجہ پیدا ہوتا ہے، اُسے مؤثر کہا جا سکتا ہے۔

شاعر اور ادیب چونکہ معاشرے کے ترجمان ہوتے ہیں اور اپنے عہد کی روایات، زبان اور اَقدار کی وساطت سے اپنی تخلیقات کو تعمیری بنا سکتے ہیں لہٰذا ایک نامیاتی شاعر اور ادیب کا فرض ہے کہ وہ فکری اور عملی بالیدگی کے لئے گزرے ہوئے عہد سے مواد حاصل کر کے، اُسے اپنے

دور کی مصروفیت سے ہم آہنگ کرتے ہوئے نئے دور، نئے نظام اور نئے معاشرتی ماحول کی بشارت دے۔ عطاؔ اللہ عزیز ہمارے عہد کے ایک باضمیر، حساس اور خاموش طبع شخص ہیں جو شعری غنائی نظام سے مکمل طور پر واقف ہیں۔ اُنہیں رموز و علائم پر عبور حاصل ہے۔ وہ قافیے ردیف کی تام جھام اور محاورات و محاکات کے استعمال سے بخوبی واقف ہیں۔ وہ شاعر ہیں اور بس شاعر......! اُنہیں روایت عزیز ہے اور جدّت سے بھی پیار ہے مگر اصول وضوابط کی پابندی کرتے ہوئے اُنھوں نے نثری نظم یا نثری غزل جیسی بدعات کا سہارا نہیں لیا اور نہ ہی کوئی اور شارٹ کٹ استعمال کرنے کی کوشش کی ہے۔ وہ زندگی کی سچائیوں، اُس کی حقیقتوں اور اُس کی خوبصورتیوں کا اعتراف کرتے ہوئے آگے بڑھتے چلے جاتے ہیں۔ وہ خود کہتے ہیں؛

ے بے گُماں جس کی خبر شاید نہ ہو
دیکھنے والی نظر شاید نہ ہو

اِک تکلّم اُس گُماں زادے سے ہے
خامشی کو بھی خبر شاید نہ ہو

اِس گُمان کو یقین کی منزلوں تک لانے کے لئے عطاؔ کو زندگی کے صحرا سے گُزرنا ہے اور آبلہ پائی کا اپنا ایک محضر نامہ مُرتّب کرنا ہے۔ اُنہیں دُھوپ، پیاس، بگولے، سراب، گرد، مسافت، ریت، تنہائی اور محرومی جیسے مراحل سے گزر کر کندن ہونا ہے۔ اُنہیں صحرا کی ہوا کے ساتھ سفر کرنا ہے اور اُس کی سرگوشیاں رَقم کرنی ہیں۔ وہ خود کہتے ہیں؛

ے یونہی جیسے ہوا کے ساتھ چلنا
پرندوں کو اُڑا کے ساتھ چلنا

بنانا ہمسفر پرچھائیوں کو
خموشی کی صدا کے ساتھ چلنا

یا پھر......

ے منظروں کے پار شاید کچھ نہیں
دیدۂ بیدار شاید کچھ نہیں

رات ہے اور بے بضاعت چاندنی
چاند بھی اِس بار شاید کچھ نہیں

یا اِسی طرح کے اور خوبصورت اشعار آپ کو جگہ جگہ اُن کے کلام میں نظر آئیں گے۔ وہ محبت کے لازوال رِشتوں کے قائل ہیں۔ اُن کے نزدیک کائنات میں صرف اور صرف محبت ہی ایک بڑا جذبہ ہے جو اِسے جوڑ سکتا ہے......اور پھر محبت تو محبت ہوتی ہے......محبت نہ جنسی ہوتی ہے اور نہ صوفیانہ......محبت علم و ادب سے ہو یا انسان سے، اُس کی اصل ایک ہی ہوتی ہے۔ عطاؔاللہ عزیز اور ہم جیسے لوگوں کا المیہ یہ ہے کہ ہم طبقاتی معاشرے میں زندہ ہیں جس میں ایک طرف دولت، وسائل، اختیارات اور ذرائع ہیں اور دوسری طرف محرومیاں، غُربت، مسائل، بُھوک، ناداری، مایوسی اور خواری ہے۔

اس طبقاتی اور استحصالی معاشرے میں کئی دِلدوز تصویریں دیکھنے کو ملتی ہیں مثلاً بُھوک سے مرتے ہوئے انسان، بیماری کی تکلیف میں سسکتی ہوئی انسانیت، جاگیرداروں، وڈیروں اور صنعتکاروں کے ہاتھوں ظُلم کا شکار مخلوق اور دو وقت کی روٹی کو ترستی ہوئی آنکھیں......یا پھر مدقوق چہرے، بکتی ہوئی عصمتیں، لُٹتی عزّتیں، دہشت، قتل، اور خوں ریزی جیسے عوامل جو ایک حسّاس ذہن اور دلِ دردمند کو تڑپا دینے کے لئے ازحد کافی ہیں۔

چند اشعار دیکھئے:

یہ کیا دِن ہے اندھیرا کس قدر ہے
اندھیرا بھی گھنیرا کس قدر ہے

نِگہ سے بے تعلّق روشنی ہے
غُبارِ غم نے گھیرا کس قدر ہے

سکوتِ شب اسے مضراب کیوں ہے
اکیلا سازِ دل بے تاب کیوں ہے

مِرا دِل قُلزُمِ خوں کا جزیرہ
جزیرہ آج تک غرقاب کیوں ہے

عطاؔ اللہ عزیز کے ہاں غمِ ذات، غمِ کائنات کا حصہ بن جاتا ہے۔ وہ اِس بات سے بخوبی واقف ہیں کہ انسانی محسوسات و مدرکات اور انسانی فکر ہی ہے جو زندہ و پائندہ ہوتی ہے۔ یہی تصوّرات ہیں جو ذات، کائنات اور انسان کے حوالے سے ہمیشہ زندہ رہتے ہیں۔ انہیں فنا نہیں۔ سقراطؔ، افلاطونؔ، سعدیؔ، رُومیؔ، غزالیؔ......، سب کیا ہوئے؟ اُن کی مٹی مٹی میں مِل گئی......، اگر وہ آج بھی ہم میں موجود ہیں تو صرف اور صرف اپنی فِکری تخلیقات، محسوسات و مدرکات اور تصنیفات کے حوالے سے!

عطاؔء اللہ عزیز نے ایک اور خوبصورت اندازِ فِکر اختیار کیا ہے اور وہ ہے......، خود کلامی! وہ اکثر اپنے ہمزاد سے باتیں کرتے ہیں۔ اُن کی غزلیں اُن کی اپنی ذات سے گفتگو کرتی ہیں

یعنی معلوم سے نامعلوم منزل کی جُستجو کی خاطر وہ یہ رَاستہ اِختیار کرتے ہیں:

ے رہتے ہیں سفر میں ہمیں عادت ہے سفر کی
اَب بُھول گئے ہیں کوئی غایت ہے سفر کی

ملتے ہی نہیں حرف و صدا کتنی تھکن ہے
جو بات بھی کرتے ہیں وہ بابت ہے سفر کی

ے اِک سفر دَرپیش مُجھ کو میں سفر نا آشنا
چَل پڑا اپنی خبر کو بے خبر نا آشنا

اے شبِ تیرہ کہاں گُم ہو گئے تیرے نجُوم
میں فسُونِ شب میں ٹھہرا کس قدر نا آشنا

عطاء اللہ عزیز کے ہاں گروہ بندی، نفرت، حسد، بُغض، عناد، ریا کاری، اور کینہ جیسی مکروہات نہیں ہیں۔ وہ انتہائی سادہ، شریف النفس، مرنجانِ مرنج، محبت اور خلُوص سے معمُور شخصیّت کے مالک ہیں۔ اُنہیں نہ تو دائیں بازو سے کوئی غرض ہے اور نہ ہی بائیں بازو سے کوئی سروکار...... نہ ہی صلے کی تمنا اور نہ ہی ستائش کی پرواہ! بس سیدھے سادے شاعر......، اور وہ بھی محبت، اخوت، مساوات، امن، انصاف، عدل اور برابری جیسے نظریات کے حامل شاعر!

مُجھے امید ہے کہ اُن کی زیرِ نظر شعری تخلیق ''خواب رَنگ'' مقبولِ عام ہوگی...... ہر خاص و عام سے سند حاصل کرے گی......، اور ادبی دُنیا اِسے ادبی چمنستاں میں ایک تازہ پُھول کا اضافہ تصوّر کرے گی۔

میں عطاء اللہ عزیز کو دیرآید درُست آید کی بناپر اپنی برادری میں شمولیت پر خوش آمدید کہتا ہوں......، یقیناً یہ معلوم سے نامعلوم کا سفر ہے......، مگر انتہائی اَہم اور ثمرآور! خدائے سخن اُن کے کلام میں روانی......، اور اُن کے نام، کام اور مقام میں اضافہ و برکت عطا فرمائے......، آمین!!

کرامت بخاری

لاہور، ۱۰۔ جنوری ۲۰۰۳ء

امکانِ معمور.....!

شاعری انسان کی مشترکہ زبان ہے۔ اِس زبان میں ہونے والا مکالمہ انسان کے سہ جہتی تعلقات پر مبنی ہوتا ہے۔ انسان اور کائنات.....، انسان اور خدا.....، اور انسان اور انسان.....، ایک دوسرے کو مقطع کرتے ہوئے یہ خطوط تمام تخلیقی اظہار کو محیط ہیں۔ اِن تعلقات کی کیفیت، کمیت، گہرائی اور تناسب ہی شاعری کی درجہ بندی کرتے ہیں۔ اُردو شاعری کا پودا صحرائے عرب سے پُھوٹا، فارس کے درباروں اور گلزاروں میں بڑا ہوا اور ہند کی زرخیز زمین میں اس نے جڑ پکڑی۔ مادی دنیا میں مادہ کے علاوہ ہر پیدائش.....، ہر تبدیلی ضرورت کی بنا پر ہوئی۔ اس دعوٰی کے ثبوت حیاتی علوم سے لے کر معاشرتی علوم تک پھیلے ہوئے ہیں۔ انسان کی دنیا بھی اس اصول سے باہر نہیں۔ زبان، کلچر، علوم.....، سب ضرورت کی پیداوار ہیں۔ اردو شاعری بھی اپنے زمانے کے مطالبات، مزاج اور تبدیلیوں کے دباؤ کی عکاس ہے۔

آج کے تیز رفتار تبدیلیوں کے زمانے میں نفسیاتی اور سائنسی علوم نے ہمارے ذہنوں کے لئے نئی وادیاں اور نئے میدان کھول دئے ہیں۔ نئے رُخ اور نئے زاویوں سے دیکھنے کے امکانات پیدا کئے ہیں۔ اس عمل نے جانی پہچانی حقیقتوں کو کہیں زیادہ اُجاگر کر دیا ہے.....، کہیں اُنہیں پیچھے دھکیل دیا ہے.....، اور کہیں کہیں ختم کر دیا ہے۔ زندگی کے تمام پہلوؤں یعنی خوراک، لباس، علاج سے لے کر اخلاقیات، مذہب، ادب، شاعری، مصوری تک ہر جگہ یہ اثرات نمایاں ہیں۔

قصائد، رزمیہ، داستان، مثنوی، غزل، نظم، آزاد نظم اور نثری نظم تک کا سفر ہر دم رواں

دواں تبدیل ہوتی ہوئی انسانی زندگی کا عکاس ہے۔ اس وسیع و عریض کینوس کے ایک کونے میں عطاؔء اللہ عزیز بھی اپنے رنگ اور برش لے کر ایک انسان کی زندگی کے عکس بکھیر رہے ہیں۔ صرف اس فرق کے ساتھ کہ انہوں نے اپنی تصویر کشی کے لئے رنگِ غزل کو چُنا ہے۔ میڈیا کے اس انقلابی دور میں جب زبانوں اور تہذیبوں کے درمیان فاصلے کم ہو چکے ہیں اور اردو شاعری آفاق کی نئی وسعتوں کی طرف نظر دوڑا رہی ہے؛ آیئے، عطاؔ صاحب کی شاعری کے جواز اور مقام کا تعیّن کرتے ہیں۔

یہ تو ایک مانی ہوئی حقیقت ہے کہ غزل ایک سخت جان صنف ہے۔ جیسا کہ پہلے اشارہ کیا جا چکا ہے کہ ساری دنیا میں بغیر ضرورت اور جواز نہ تو کوئی چیز پیدا ہوتی ہے......، اور نہ ہی بلا ضرورت زندہ رہ سکتی ہے۔ غزل کی یہ سخت جانی قابلِ غور ہے۔ قدیم ہندوستانی روایات کے مطابق ناگ ایک مخصوص عمر گزارنے کے بعد اس صلاحیت کا حامل ہو جاتا ہے کہ اپنی خواہش کے مطابق جسم یا بہروپ تبدیل کر سکتا ہے۔ غزل کے معاملہ میں یہ بات برعکس سچ معلوم ہوتی ہے کہ غزل نے یہ صلاحیت پیدا کر لی ہے کہ کسی بھی عصر کی روح کو اپنے قالب میں اتار سکتی ہے۔ قطب شاؔہ، میرؔ، غالبؔ، داغؔ، اقبالؔ، فیضؔ، ناصرؔ کاظمی، ظفؔر اقبال تک اور ان کے بعد بھی یہ غزل کا چراغ ہر طرح کے جنات کو مقید کرنے میں کامیاب رہا ہے۔

عطاؔ صاحب کے زمانے میں پیش آمدہ ٹکراؤ اور تبدیلیوں کی مثال معلومہ انسانی تاریخ میں نہیں ملتی۔ کہا جاتا ہے کہ ہر نومولود بچہ اس بات کا اعلان ہے کہ فطرت ابھی انسان سے مایوس نہیں ہوئی۔ اسی طرح ایک شاعر بھی اس بات کا اعلان ہے کہ انسانیت ابھی ایک امکانِ معمور ہے۔ بے یقینی، بے مقامی کے تناظر میں سنبھلا ہوا احساسِ غم......، ایک ناقابلِ شکست امید پرستی عطاؔ صاحب کی امتیازی علامت ہے۔ یہ اشعار قابلِ غور ہیں:

ے یونہی جیسے ہوا کے ساتھ چلنا
پرندوں کو اُڑا کے ساتھ چلنا

ے فصیلِ شام سے اُترا ہوں ایک رسم کے بعد
کہ اِک چراغ جلایا وہیں پہ چھوڑ دیا
کسی کی آنکھ تو ہوگی کوئی تو دیکھے گا
فلک سے خواب چُرایا زمیں پہ چھوڑ دِیا

شام، رات، خواب، سمندر اور چاند کی علامات عطا صاحب کے یہاں بار بار سامنے آتی ہیں۔ ان علامات پر مبنی تماثیل جو منظر بناتی ہیں وہ جُدائی کے بعد کا منظر ہے یا دیر تک رونے کے بعد خاموشی کی کیفیت کا عکاس ہے۔ عطا صاحب کی بہت سی غزلوں کی یہ حزنیہ کیفیت راگ دیس کے رَنگوں میں نکھرتی ہوئی محسوس ہوتی ہے؛

ے دشتِ شب کی وُسعتوں میں خاک اُڑا اے چاندنی
دل جو مسکن تھا ترا وہ بُجھ گیا اے چاندنی

حدِ نظر تک ایک سمندر شام ڈھلے
سوچ رہے ہیں ڈال کے لنگر شام ڈھلے

لے گئی شب مایۂ شب اپنے ساتھ
کُچھ نہیں باقی ذرا اِک خواب ہے

اِس ٹھہرے اور سنبھلے ہوئے احساسِ غم کی ایک وجہ شاید یہ ہو کہ اُن کا یہ مجموعۂ کلام پُختہ عمر میں سامنے آرہا ہے۔ ابتدائے شباب کا جوش اور شدید ردِّعمل کا زمانہ گذر چکا ہے۔ ان کی شاعری میں حزن کا عنصر بہت اہمیت کا حامل ہے اور ان کی شاعری کو موسیقی اور تاثیر بخشتا ہے لیکن اُنہیں معلوم ہے کہ غم انسان کی زندگی کا حصہ ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ اُنہیں اس بات کا بھی ادراک ہے کہ انسان غم سے بڑا ہے۔

بڑی اور عمدہ شاعری اپنی بنیاد کسی نہ کسی عظیم تصورِ حیات و کائنات پر رکھتی ہے۔ اسی

لئے اچھی شاعری کا ماخذ بیشتر مذہبی یا ماورائی رہا ہے۔ بے یقینی کے خلا میں انسان اور انسانیت زندہ نہیں رہ سکتے سو انہیں کسی نہ کسی یقین کی زمین اپنے پاؤں تلے چاہئے ہوتی ہے۔ باقی کہانی اس کے بعد شروع ہوتی ہے۔ ہمارے زمانے میں اپنے پاؤں پر کھڑے ہونے کی یہ کوشش بہت جوکھم بھری ہے۔ عطاؔ صاحب رُوحانی طور پر زندہ اور پُر اُمید انسان ہیں۔ وہ کہتے ہیں؛

اِسی مکان میں اِک دَر ہے لامکاں کے لئے
اُسے تلاش کرے یہ مکیں پہ چھوڑ دیا

اِس سرمستی اور سرخوشی میں ایسے لمحات بھی آتے ہیں؛

سرمستی کا ویسا عالم پھر نہیں پایا
خواب تو دیکھے خواب میں ڈھل کر پھر نہیں دیکھا

تنگیٔ داماں کے احساس میں ڈوب چلا تھا
اُس لمحے میں جو تھا میسّر پھر نہیں دیکھا

اُن کی شاعری میں بذاتہٖ تصوف کا اثر کچھ زیادہ تو نہیں مگر رُوحانی طور پر زندہ فرد کی داخلی زندگی میں آنے والے اُتار چڑھاؤ کا اظہار جا بجا ملتا ہے؛

رہتے ہیں سفر میں ہمیں عادت ہے سفر کی
اب بھول گئے ہیں کوئی غایت ہے سفر کی

اِک سفر در پیش مُجھ کو میں سفر نا آشنا
چل پڑا اپنی خبر کو بے خبر نا آشنا

منظروں کے پار شاید کچھ نہیں
دیدۂ بیدار شاید کچھ نہیں

ے خواب کی دلدل میں منظر کھو گئے
نیند کے اُس پار شاید کچھ نہیں

انسان اور خدا، انسان اور کائنات کی طرح انسان اور انسان کے درمیان ہونے والا مکالمہ بھی اُن کی شاعری میں جاری ہے۔ اگر چہ وہ سمجھتے ہیں کہ شاعری کو سب سے پہلے شاعری ہونا چاہیے لیکن وہ ادب برائے زندگی کے قائل ہیں۔ اس تناسب کو برقرار رکھتے ہوئے اُن کے یہاں اَقدار اور معیارات کا مستقل نظام پایا جاتا ہے۔ وہ کسی قسم کی Radical سوچ کے حامل نہیں لیکن وہ سوالات اُٹھانے اور سوالات کا سامنا کرنے میں نہایت بہادری کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ اس طرح وہ ایک زندہ اور زندگی سے وابستہ شاعر کی حیثیت سے سامنے آتے ہیں۔ سیاسی اور معاشرتی حوالے سے وہ نہایت واضح اور صاف خیالات کے حامل ہیں؛

ے خاک ہونے سے کچھ نہیں ہوتا
اشک بونے سے کچھ نہیں ہوتا

راستے گھوم پھر کے لوٹ آئے
بوجھ ڈھونے سے کچھ نہیں ہوتا

سایۂ اَبرِ گراں میں دُھوپ منظر کھو گیا
اِک دُھوئیں کی اوٹ میں شہرِ مُنوّر کھو گیا

قریہ قریہ کو بہ کو پاگل ہوا
ہر طرف اِک ہاؤہُو پاگل ہوا

برسرِ پیکار ہیں دونوں ابھی
خاکِ صحرا اور لہو پاگل ہوا

اُن کے افکار میں جدید حسیّت و آگہی کے خوبصورت مرقّع نفسیاتی پیچیدگیوں کے اِشاراتی خاکے اور خود کلامی کے انداز میں انسانی جذبات کے نیرنگ بھی نظر آتے ہیں؛

سے ستارے لے گئے آنکھیں ہماری
گزرتی ہے عجب تیرہ شبی میں

کبھی آؤ ہماری زندگی میں
طلسمِ دَشت دیکھو تیرگی میں

وہ شعلۂ لب جس کا سخن کارِ فسوں تھا
ہم آج بھی اُس لہجۂ بیباک میں گُم ہیں

رنگوں کو قباؤں نے کہیں کا نہیں رکھا
خوشبو کو ہواؤں نے کہیں کا نہیں رکھا

شام کے آنگن میں اُترے قافلے
پھر سفر کو چل پڑیں آنکھیں کہاں

اُمید، خواہش اور دعاؤں کے ساتھ ایک خوبصورت شاعر کو اُسی کے دو شعر پیش کرنے کو جی چاہتا ہے؛

سے دَشت میں اِک خالی مشکیزہ عطا
زندہ لمحوں سے بھرا اِک خواب ہے

ہاتھ میں چراغ لے کے تیرنا
رَات کا کنار ہے یہیں کہیں

محمد طیّب

گوجرانوالہ۔ ۶۔ فروری ۲۰۰۳ء

معنویّت......!

شاعری شاعر کی معنوی تخلیق ہوتی ہے جس میں اس کے اپنے ذہنی خدوخال اور شعوری تیور دکھائی دیتے ہیں۔ ایک سچا تخلیق کار اِس حقیقت کا بہتر ادراک کر سکتا ہے کہ تخلیقی جوہر اپنا اظہار کیے بغیر نہیں رہ سکتا۔ اس کے نفسیاتی پس منظر میں شاید یہ لاشعوری خواہش ہوتی ہے کہ تخلیق کی وساطت سے تخلیق کار خود اپنی پہچان کرائے یعنی اپنے باطنی وجود کو منوائے۔ اس کی تخلیق بیک وقت بہت سے مقامات تک پہنچ جاتی ہے جہاں بنفسِ نفیس اُس کی رسائی ممکن نہیں ہوتی۔ یُوں وہ پس منظر میں رہ کر اپنی ذات کے مختلف گوشوں کو وسیع تناظر میں بے نقاب کرتا رہتا ہے۔

اب ذرا اور وسیع تناظر میں دیکھیے!

ہمارے سامنے پوری کائنات ہے جس میں مناظر کی بُوقلمونی کے ساتھ ساتھ اُن کی معنوِیّت کے رنگ بھی موجود ہیں۔ کیا وجہ ہے کہ مناظرِ فطرت کو دیکھ کر ہمیں جو باطنی حظ حاصل ہوتا ہے وہ دوسرے مناظر کو دیکھ کر نہیں ہوتا؟ مناظرِ فطرت سے اسی باطنی حظ کا حصول یا اُن سے کسی نوع کا ربط وضبط ہی اُن کی معنوِیّت کا ادراک ہے۔ اقبالؔ نے کیا خوب کہا تھا؛

خدا اگر دلِ فطرت شناس دے تجھ کو
سکُوتِ لالہ وگُل سے کلام پیدا کر

پھُولوں، کلیوں کے رنگ و رُوپ اپنی جگہ......، جو ظاہری آنکھ کو بہر حال اچھے لگتے ہیں

مگران کا معنوی رنگ یہی ہے کہ وہ باطنی حظ عطا کریں......، کلام کرتے محسوس ہوں......، اور اُن سے ربط وضبط اس نہج پر ہو کہ سرشاری وسرمستی تک کا عالم طاری ہو جائے۔ جو اگرچہ بہت آگے کی بات ہے تاہم ممکن ضرور ہے۔ مَعنوِیّت کے رنگ اُسی وقت کھلتے ہیں جب باطن کی آنکھیں کُھلی ہوں۔

کائنات میں مَعنوِیّت کی تلاش اور اُس کے ادراک سے خالق کائنات کی پہچان کے دَر وا ہوتے ہیں۔ بات مابعد الطبیعات کی ہے مگر یہ حقیقت ہے کہ مابعد الطبیعات مَعنوِیّت سے بھرپُور ہے جس کا مطالعہ ومشاہدہ ہم تخلیق کاروں کا اوّلین مقصد ہونا چاہیئے۔ بلاشُبہ اس کام میں فکر کی گہرائی اور جذب وشوق کی حرارت درکار ہے مگر یہ بھی حقیقت ہے کہ جس نے جس قدر مَعنوِیّت کو پالیا اُسی قدر اُس پر پہچان کے دَر وا ہوئے اور اُسی قدر اُس نے اِس رُوئے زمین پر اپنے وجود کی غایت کو پُورا کیا۔

''خواب رَنگ'' کو میری پہچان کہہ لیجئے۔ اگر اِس میں کائنات کے حوالے سے مَعنوِیّت کی تلاش کی کوئی کوشش دکھائی دیتی ہے تو میں اسے اپنے لئے باعثِ افتخار سمجھوں گا۔

''خواب رَنگ'' میں ایک رَنگِ سپاس اپنے عزیز دوستوں کرامت بخاری، محمد طیب، اسلم سراج الدین، محمود احمد قاضی، خالد محمود، اسد ملک، خالد فتح محمد اور اِقبال غوری کے لئے بھی ہے جن کے تعاون اور حوصلہ افزائی کے بغیر شاید دوسرے رَنگ نکھر نہ پاتے......!!

عطاءاللہ عزیز

گوجرانوالہ، فروری ۲۰۰۳ء

فکرِ تازہ تر سے پہلے روشنی
ہو میسّر سَر سے پہلے روشنی

ڈُھونڈ لائیں گوشۂ ثَور و حِرا
گھر مِلے پر گھر سے پہلے روشنی

ختم ہو جائے گا بے منزل سفر
جب مِلے گی دَر سے پہلے روشنی

آ بھی جائیں نامہ بَر الفاظ کے
آئے نامہ بَر سے پہلے روشنی

کہکشاں ہو راستہ پرواز کا
پھیلتی ہو پَر سے پہلے روشنی

......

کُچھ پَسِ غُبار ہے یہیں کہیں
پھر بھی آشکار ہے یہیں کہیں

خواب اور خیال ہیں مکیں جہاں
ایسا اِک دِیار ہے یہیں کہیں

یا زَرِ نِگاہ تابدار ہے
یا وہ زَر نگار ہے یہیں کہیں

ہاتھ میں چراغ لے کے تیرنا
رات کا کنار ہے یہیں کہیں

موسموں میں ڈھونڈیے ساعتیں
نغمۂ بہار ہے یہیں کہیں

نرگسوں پہ چھا رہی ہیں مستیاں
آنکھ کا خمار ہے یہیں کہیں

بام پر دیئے کی لَو میں دیکھئے
ایک اِنتظار ہے یہیں کہیں

......

وَہمِ وجود میں کہیں ہو گئی ایک ذات گُم
پھر اُسی آئینے میں ہے ساری ہی کائنات گُم

تیرہ شبی و خامشی ایک وہ ضو فشاں خیال
جیسے کِسی فسُون میں اتنی طویل رات گُم

اُس کی نظر کے شہر میں کوئی بھی فاصلہ نہیں
ہم ہیں اسیرِ یک نظرِ جس میں ہیں شش جہات گُم

چھین کے اُس کے خال و خد اُس کو دَوام دے دِیا
ہوتا نہیں درُونِ جاں اَب کوئی بے ثبات گُم

ہیرے کی آنکھ چاہئے اُس کی تلاش کے لئے
گر اِسی خاکداں میں ہے سیم و زرِ حیات گُم

......

سایۂ ابرِ گراں میں دھوپ منظر کھو گیا
اِک دھویں کی اوٹ میں شہرِ منوّر کھو گیا

گُم ہوئے آفاقِ ہستی بے یقینی میں کہیں
اعتبارِ جسم و جاں کا ایک اختر کھو گیا

کِس لئے منڈلا رہے ہیں اِس قدر زاغ و زغن
کیوں فضاؤں میں نہیں ہے کیسے شہپر کھو گیا؟

اِک جُوئے کم آب تھی وہ کھا گیا صحرا جسے
پیٹتے ہیں سَر کنارے اِک سمندر کھو گیا

خال و خَد بکھریں گے جِس کا جِسم سالم ہے یہاں
جِس کے خال و خَد رہے وہ جِسم یکسر کھو گیا

......

اَسیر کِس کو کرے گا نگارِ شام کہاں؟
یہ کون کھینچ رہا ہے حصارِ شام کہاں؟

کوئی ستارہ ہی ٹھہرا ہے ہمسفر اب تک
وگرنہ گردشیں کیسی مدارِ شام کہاں!

یہ کون شخص ہے کِس پار اِسے اُترنا ہے؟
کرن کی ناؤ میں بیٹھا کنارِ شام کہاں!

وَرَائے شام جو منظر ہے دِل نے دیکھا ہے
فقط نگاہ سے چُھٹتا غُبارِ شام کہاں؟

کوئی ہو اُن کی پذیرائی کی نئی صورت
کہاں فلک کے مُسافر دَیارِ شام کہاں!

......

بے گُماں جِس کی خبر شاید نہ ہو
دیکھنے والی نظر شاید نہ ہو

پھر نہیں ہو گا پلٹ کے دیکھنا
پھر یہ جادُو کا نگر شاید نہ ہو

مِل ہی جانا چاہئے اُس کو یہیں
پھر یہ اندر کا سفر شاید نہ ہو

حبسِ جاں تازہ ہوا کا منتظر
وہ ہوا جس کا گُزر شاید نہ ہو

یُوں نہ لَو دے گی رَگوں کی تیرگی
خالی ہاتھوں میں سحر شاید نہ ہو

عُمر ہو چاندی کا دَریا بھی اگر
اُس میں سونے کا بھنور شاید نہ ہو

اِک تکلّم اُس گُماں زادے سے ہے
خامشی کو بھی خبر شاید نہ ہو

......

جب مناظر تھے رہیں آنکھیں کہاں؟
اب تعاقب میں چلیں آنکھیں کہاں؟

شام کے آنگن میں اُترے قافلے
پھر سفر کو چل پڑیں آنکھیں کہاں؟

پھول کو خوشبو نہیں پہچانتی
اِس بہاراں میں کھلیں آنکھیں کہاں؟

روشنی اب کوئی حسرت ہے نہ خواب
اِن اندھیروں میں جلیں آنکھیں کہاں؟

یہ خلا ہے تو خلا ماپیں عطاؔ
آخری حَد تک گئیں آنکھیں کہاں!

......

مَنظروں کے پار شاید کُچھ نہیں
دِیدۂ بیدَار شاید کُچھ نہیں

خواب کی دَلدَل میں منظر کھو گئے
نیند کے اُس پار شاید کُچھ نہیں

رَات ہے اور بے بضاعت چاندنی
چاند بھی اِس بار شاید کُچھ نہیں

ٹھوکروں کی زَد میں ہے اب تو خلا
راہ کی دِیوار شاید کُچھ نہیں

گھومئے مَرکز گریزاں گھومئے
دائرے پُرکار شاید کُچھ نہیں

ریت اُڑتی ہے نگاہوں میں بہت
سبزہ و گُلزار شاید کُچھ نہیں

اوڑھ لیجے پھر کوئی زَرکارخواب
پیرہن ، دستار شاید کُچھ نہیں

......

آسماں کا دَر کُھلا تارِ نظر سائل ہُوا
دیکھتے ہی اِک ستارہ شام کا مائل ہوا

دیکھنا سُورج کا تھا خونی شفق کا دیکھنا
وُسعتِ آفاق میں ذوقِ نظر گھائل ہُوا

گیت اُڑتا ہے فضا میں پاؤں میں باندھے ہوَا
جھونکا اُس کے واسطے بجتی ہوئی پائل ہُوا

ہاتھ سے چھوٹی کرن آنکھوں سے موتی چھن گئے
ایک منظر تھا گیا سارا فسوں زائل ہُوا

سیدھے سادے راستے تھے سادا اندازِ نظر
پَر قدم رُکنے لگے اِک خواب سا حائل ہُوا

پُھول نے سمجھی زباں جذبات کی مُسکا دِیا
چاند نے بھی تو بچھا دِی چاندنی قائل ہُوا

......

وہ اکتسابِ نور سفر درمیانِ شب
ماہِ تمام ساتھ چلا ارمغانِ شب

دھڑکا تھا گر نہ جائے کہیں خیمۂ غبار
سو اک طنابِ خواب تھی اور ساکنانِ شب

ساحل سے دور ہے وہ اک سپیدۂ سحر
ناؤ اُدھر چلی وہ کھلا بادبانِ شب

ڈھونڈیں گے اُس کو ساتھ لئے سبزۂ خیال
اُترا ہے بیاباں میں اگر کاروانِ شب

اِک محویت کے ساتھ ذرا تمکنت بھی ہے
کرتے ہیں کیا اَسیر بھلا خواجگانِ شب

ہے گوشِ ہوَا ابھی لطیف بات بھی لطیف
خوشبو کی طرح کُچھ تو کہیں رَازدانِ شب

......

عجب لَو دے رہا ہے رابطوں میں
چراغِ جاں ہزاروں طاقچوں میں

بکھرنا کہہ رہے ہیں لوگ اِس کو
مگر ہم ہیں ہوا کے بازوؤں میں

یہ بے ہنگم ذرا سی بے لگامی!
ذرا سا ایک رخنہ ضابطوں میں!

تماشا ہے کہ سَرشاری ہے کیا ہے؟
کبھی آنکھیں کبھی دِل بادلوں میں

زمینِ دِل سے کُچھ تازہ کنول سا
نِکل آتا ہے باہر بارشوں میں

دَھنک اِک ڈھونڈیے تازہ اُفق پر
سفَر کرتے ہیں ہم بھی دائروں میں

عجب اِک بات ہے باتوں میں لَب پر
عجب اِک ذائقہ ہے ذائقوں میں

......

خاک ہونے سے کچھ نہیں ہوتا
اَشک بونے سے کچھ نہیں ہوتا

رَاستے گھوم پھر کے لَوٹ آئے
بوجھ ڈھونے سے کچھ نہیں ہوتا

خواب آخر کو خواب ہی نکلے
صِرف سونے سے کچھ نہیں ہوتا

بام پر آج بھی ستارہ نہیں
شام ہونے سے کچھ نہیں ہوتا

خوں فِشانی کا اَب رواج نہیں
اور رونے سے کچھ نہیں ہوتا

......

احساس کے پردوں میں چُھپا کر اُسے دیکھا
جذبوں کی صداؤں کو دبا کر اُسے دیکھا

اِدراک کی جِھلمِل میں جھلک اُس نے دکھائی
پھر خون کی گردش میں جگا کر اُسے دیکھا

دِیوار سے آگے نئی دِیوار کھڑی تھی
جب بھی کبھی دِیوار گِرا کر اُسے دیکھا

احساس کا جادُو تھا کہ سوچوں کا کرشمہ
اَیسا تھا کہ خود آپ بنا کر اُسے دیکھا

اِک سایۂ سیمیں تھا رہا ساتھ ہمارے
زَرّیں سی تھی کُچھ دُھوپ ملا کر اُسے دیکھا

وہ رَنگ بدلتا ہے تو حیرت نہیں ہوتی
اِس گردشِ دوراں میں گُھما کر اُسے دیکھا

ریگِ وجود کے لئے ساحل سے دُور ڈھونڈیے
اَور ہی تشنگی ہے یہ چَشمہٗ نُور ڈھونڈیے

بُجھنے لگی ہے لَو تو کیا اب یہیں رَات ہو تو کیا
زندہ رہے گی آرزُو شُعلہٗ طُور ڈھونڈیے

اَوجِ فلک پہ ہو قیام ایسی بجا ہے آرزُو
کوئی مَدار لیجئے ہَالہٗ نُور ڈھونڈیے

عکسِ جمال دیکھئے پھر بھی ملے گا خوب تر
سنگ ہیں اِن میں آئینہ خستہ و چُور ڈھونڈیے

ساری مُمات ہو چُکی اَز سرِ نو حیات ہو
عرصۂ حشر کے لئے نغمۂ صور ڈھونڈیے

......

اِک سفر درپیش مُجھ کو میں سفر ناآشنا
چَل پڑا اپنی خبر کو بے خبر ناآشنا

لَذّتِ آزار ہے کہتے ہیں جِس کو آگہی
میں بھی ہوں بَس اِک طلب میں دَربَدر ناآشنا

اے شَبِ تِیرہ کہاں گُم ہو گئے تیرے نجُوم؟
میں فسُونِ شب میں ٹھہرا کِس قدر ناآشنا

اِس جہانِ رَنگ و بُو کو کِس طرح دیکھا کریں؟
بُوئے گُل آنکھوں سے اوجھل گُل نظر نا آشنا

کِن جہانوں کی کشش لاحق ہوئی تُجھ کو عطا؟
خواہشِ پرواز ہے اور بال و پر نا آشنا

......

موسم کے سندیسے کِئے خوشبو کے حوالے
پھر کارِ چمن ہو گا تری خُو کے حوالے

کیا ربط مِلے تجھ کو، کرن پھول دھنک میں
کر سارا نظارا دِلِ یکسُو کے حوالے

گُم کردۂ ہستی ہے کوئی وُسعتِ شب میں
اَب شُعلۂ اُمّید ہے جگنو کے حوالے

دِل جُوئے رَواں عکس فگن اِس میں سماوار
آئینہ اگر ہو تو ہو خوشبو کے حوالے

ہر چیز تکلّم کرے وِیرانیٔ دِل میں
آرائشِ ہر نغمہ ہے اِک ہُو کے حوالے

......

رات کے ساتھ چلے جاتے ہیں
ہم کِس نِیند بہے جاتے ہیں!

آنکھیں ٹھہر گئی ہیں لیکن
سارے خواب اُڑے جاتے ہیں

چاند دِلوں کو کھینچ رہا ہے
تارے ساتھ لِئے جاتے ہیں

رَات کے اپنے دُکھ ہوتے ہیں
ہم خاموش ہوئے جاتے ہیں

اوڑھ کے رات کی چادر کیا کیا
دن کے بھید چُھپے جاتے ہیں

شعروں کا موسم ہوتا ہے
جس میں پُھول چُنے جاتے ہیں

پاؤں کا چکر پُوچھ رہا ہے
ہم کس اوٹ چلے جاتے ہیں؟

......

یُونہی جیسے ہوا کے ساتھ چلنا
پرِندوں کو اُڑا کے ساتھ چلنا

بنانا ہم سفر پرچھائیوں کو
خموشی کی صدا کے ساتھ چلنا

بِکھر جانا خود اپنے رَنگ و بُو میں
کِسی بادِ صبا کے ساتھ چلنا

کہاں جاتا ہے آخر یہ خلا بھی؟
ابھی ٹھہرا خلا کے ساتھ چلنا

زمیں نیچے نہ اُوپر آسماں ہے
روَا ہے ماورَا کے ساتھ چلنا

......

ضرَر ہی کیا ہے جو آبِ رَواں نظر میں رہے
یہی تو ہو گا کہ تارِ نظر بھنور میں رہے

حرارتوں ہی سے ہریالیاں جنم لیں گی
کِھلیں گے پُھول اگر جاں رَگِ شرر میں رہے

غُبارِ راہ میں ذرّے ہیں سونے چاندی کے
سفر تمام ہے زَادِ سفر ، سفر میں رہے

وہ پھیلتی ہوئی خوشبو تھی آج لوٹ چلی
اِسی میں ہو گی سعادت فضا اثر میں رہے

عدم سے آئیں دُعائیں بصیرتیں لے کر
سپاسِ جاں حدِ اِدراک میں خبر میں رہے

بتا گئی ہے اندھیروں کو کاٹتی وہ کِرَن
نگاہ زاویہ بدلے خطِ سحر میں رہے

نجومِ اشک بھری چشمِ تر سے کہتے گئے
ورائے اوجِ ثریّا عطاؔ نظر میں رہے

......

بے ثمر نیندیں ہَرا اِک خواب ہے
آنکھ سے باہر دھرا اِک خواب ہے

دیکھیے کیا جو کِسی حد میں نہیں
خواب سے بھی ماورَا اِک خواب ہے

لے گئی شَب مایۂ شَب اپنے ساتھ
کُچھ نہیں باقی ذرا اِک خواب ہے

اِک خلا بھرنا ہے شاید اِس لئے
ایک پیچھے دوسرا اِک خواب ہے

دَشت میں اِک خالی مشکیزہ عطا
زِندہ لمحوں سے بھرا اِک خواب ہے

......

دشتِ شب کی وسعتوں میں خاک اُڑا اٹھے چاندنی
دِل جو مسکن تھا ترا وہ بُجھ گیا اے چاندنی

آنکھ کے رستے تھا تیرا خانۂ جاں میں گزر
تیرا اندازِ سفر وہ کیا ہُوا اے چاندنی

یہ فصیلِ تیرگی یہ جانگسل تنہائیاں
رہ گئے سر پھوڑ کر ہم آ بھی جا اے چاندنی

تُو شعور و آگہی پَر آگہی کے ساتھ ساتھ
دَرد کیوں اِتنا فزُوں ہے؟ یہ بتا اے چاندنی

فِکر کے ہمراہ تُو کب سے رمیدہ خُو رواں
اَب ٹھکانہ ہو ترا اَب گھر بَسا اے چاندنی

دے اُٹھے لَو حرف بھی دِل کی حرارت سے عطا
کون بولا روشنی کِس نے کہا اے چاندنی

......

لائی گئی نہ تاب کوئی جانتا نہیں
کِتنا ہے اضطراب کوئی جانتا نہیں

خاکِسترِ وجُود مِری کیمیا ہوئی
لیکن یہ اِنقلاب کوئی جانتا نہیں

کرنیں بکھیرتا ہے یہی دیکھتے ہیں لوگ
جلتا ہے آفتاب کوئی جانتا نہیں

وہ مرکزِ نگاہ تو ہر خال و خد میں ہے
یہ حُسنِ انتخاب کوئی جانتا نہیں

سوچا نہیں جسے ابھی لِکھا نہیں عطاؔ
وہ حرفِ باریاب کوئی جانتا نہیں

......

کِس قدر زمین و آسماں کی در کُشائی ہے!
اور کِس قدر کِسی خیال کی رسائی ہے!

فلک نے اِس قدر خموش اور پُرسکون رات
چاندنی کی تابدار لَے پہ گنگنائی ہے

آئینہ سراپیے کہ عکس جگمگا اُٹھا
آئینے میں دیکھ دیکھ رات مُسکرائی ہے

وہ عکسِ ماہتاب اُن میں جم نہیں سکا ابھی
اِسی لئے تو پانیوں میں موج آزمائی ہے

ہُوا ہے رُونما بہت عطا ہے ماہتاب کی
اُسے جو دیں گے عمر بھر وہ اُس کی مُنہ دکھائی ہے

......

بھیگی آنکھوں سے دیکھے ہیں کتنے نیل کنول!
نیلے پانی پر ہنستے اُجلے نیل کنول

منظر کب تھا وہ تو کوئی ساعتِ نغمہ تھی
رِم جھم رِم جھم برکھا رُت میں ہنستے نیل کنول

گہرے پانی کی چادر پر رات اُتر آئی تھی
اور ستارے ٹانک رہی تھی جیسے نیل کنول

سطحِ بیں تو ساحلِ وقت پہ خالی ہاتھ مِلا
ہم اُترے تو ہاتھ آئے تھے لمحے نیل کنول

ڈوب اُبھر کر بے تابی سے نظریں ڈھونڈتی تھیں
چشمۂ آبِ گُم تھا اور دو بھیگے نیل کنول

......

اِس اُمید پہ کاٹے دِن
آجائیں گے اچھّے دِن

غیروں کے ہیں دِن اور رات
کب آئیں گے اَپنے دِن؟

سچّا وقت کا ٹھہراؤ
جُھوٹی راتیں جُھوٹے دِن

رَاتوں کی چھانی تھی خاک
تَب مُشکل سے پائے دِن

اِس موسم کی بازِی میں
ہار نہ جائیں جیتے دِن

تارِیکی میں بیٹھے ہیں
گود میں لے کر سارے دِن

آج زمیں ہو محور پر
سچی رَاتیں سچے دِن

......

رَنگوں کو قبَاؤں نے کہیں کا نہیں رَکھا
خوشبُو کو ہواؤں نے کہیں کا نہیں رَکھا

اَیسی ہے نزاکت تو بکھر جائے گا اِک دِن
وہ جِس کو اداؤں نے کہیں کا نہیں رَکھا

یہ ساری تگ و تاز ادُھوری ہی رہے گی
انجان فضاؤں نے کہیں کا نہیں رَکھا

جنگل ہے کہاں اور کہاں رَقص کرے مور؟
گھنگھور گھٹاؤں نے کہیں کا نہیں رَکھا

ہم فِکر کی وادی میں سخن بھول گئے ہیں
خاموش گپھاؤں نے کہیں کا نہیں رَکھا

گلشن کی بہاریں بھی بہاریں نہیں ہوتیں
عُمروں کی خزاؤں نے کہیں کا نہیں رَکھا

ہر نیم اشارے پہ دھڑک اُٹھنے کو تیّار
اِس دِل کو اداؤں نے کہیں کا نہیں رَکھا

......

قُلزمِ فِکر و نظر گو کم نہیں
پر کہیں اُس موج سا دَم خَم نہیں

کھو گیا وہ ذوق وہ سوز و گداز
بَرگِ گُل پر قطرۂ شبنم نہیں

نَرم و شیریں لفظ ہیں نَوحہ کناں
اَب کہیں وہ مردِ ابریشم نہیں

آج بھی ہے قلب و جاں میں روشنی
اِک دِیا ہے جس کی لَو مدھم نہیں

رَاستی کا اِک نشاں جاتا رہا
رَاستوں کے پیچ وخَم تو کم نہیں

درد میں شامل ہے کیسی بے بَسی!
حسرتِ گریہ ہے آنکھیں نَم نہیں

ایک یہ بھی طُرفہ غَم ٹھہرا عطا
کہ زیاں جتنا ہے اُتنا غَم نہیں

......

ابھی روشنیٔ طبع کے ادراک میں گُم ہیں
کِتنے ہی ستارے ہیں جو اَفلاک میں گُم ہیں!

لائیں گے خبر وہ کہ نہیں جِن کی خبر بھی
پاتال میں اُتریں گے جو خاشاک میں گُم ہیں

اُلجھن ہے بہت رَاہ بھی اتنی ہی کٹھن ہے
سُلجھائیں گے وہ لوگ جو پیچاک میں گُم ہیں

ہو اَیسے ستاروں کا فلک کوئی جُدا سا
اِک عُمر سے جو دِیدۂ نمناک میں گُم ہیں

وہ شُعلۂ لَب جِس کا سخن کارِ فسُوں تھا
ہم آج بھی اُس لہجۂ بے باک میں گُم ہیں

......

سوچنا جیسے اَدائے خام ہے
دیکھنا گویا ورائے شام ہے

خاص ہو مُجھ ہی سے ہو جو کُچھ بھی ہو
وَرنہ یُوں تو اَب صلائے عام ہے

اَب یہ مجھ پر ہے کہ دیکھوں کِسقدر
آنکھ میری آشنائے بام ہے

ہاتھ کتنے ہوں مرے کتنے چراغ؟
میں اکیلا اور ہوائے شام ہے

مجھ میں ویرانی ہے صحراؤں کی پیاس
میرے ہاتھوں میں خلائے جام ہے

آگہی سے بڑھ کے ہو کوئی کشش
آگہی بھی مبتلائے دام ہے

نام سے کوئی بڑا ان کو نہ عطا
نام ہے لیکن برائے نام ہے

.....

آنکھوں سے نہیں دیکھو سوچو کتنے خواب ادھورے ہیں!
اور کوئی پٹ کھولو دیکھو کتنے خواب ادھورے ہیں!

کب کرنوں کی یورش ہوگی کب تکمیل کو پہنچیں گے؟
جھلمل تاروں سے پوچھو تو کتنے خواب ادھورے ہیں!

عمر ہوئی خاموش ہیں ان کو گویائی دے دو
تان اڑاؤ، نغمے گاؤ کتنے خواب ادھورے ہیں!

پھول نہ تتلی گیت نہ بلبل ناں خوشبو نہ ذوق اور شوق
اَب کوئی اور ہی موسم ڈھونڈو کتنے خواب اَدھورے ہیں!

نیندوں میں نہیں پورے ہوں گے نیندوں میں نہیں آئیں گے
ہر کھڑکی میں آنکھیں رکھ دو کتنے خواب اَدھورے ہیں!

سورج ہاتھ نہیں آئے گا لیکن تم اِن گھڑیوں میں
اَنگنائی کی دھوپ سمیٹو کتنے خواب اَدھورے ہیں!

......

بہت لطیف ہے منظر مگر تلاش کروں
میں اپنی آنکھ میں دیکھوں نظر تلاش کروں

ابھی میں گم ہوا جاتا ہوں حیرتوں میں کہیں
یہاں سے نکلوں تو آگے خبر تلاش کروں

ورائے خانہ و منزل مرا قیام رہے
ورائے جادہ انوکھا سفر تلاش کروں

مرے خلا میں اُفق بھی بَس اِک خیال سا ہے
اُسی اُفق پہ مَیں شمس و قمر تلاش کروں

فلک زمین میں ڈھونڈوں نجُوم ذَرّوں میں
اِسی سیاہی شب میں سحر تلاش کروں

تمام دُھوپ سمیٹوں طناب کھینچ رَکھوں
لگاؤں خیمۂ جاں کیوں شجر تلاش کروں؟

......

طلب کی آنکھ سے اَیسا میں اکثر دیکھ لیتا ہوں
بہت پیاسا ہوں صحرا میں سمندر دیکھ لیتا ہوں

یہ میرے خواب روشن خواب اِن پر دسترس میری
کِسی نے جو نہ دیکھا ہو وہ منظر دیکھ لیتا ہوں

یہ ذرّے ہیں بھلا موتی کہاں اِن میں نہاں ہوں گے
مگر اتنا تو ہے اِن میں تحیّر دیکھ لیتا ہوں

خلا سے آنکھ کا کاسہ کبھی خالی نہیں آتا
میں تنہائی میں تنہائی کا اختر دیکھ لیتا ہوں

یہ کیسا کھیل ہے آنکھوں پہ کس نے ہاتھ رکھے ہیں
پلٹتا ہوں کوئی ماہِ مقدّر دیکھ لیتا ہوں

......

آئینہ سجاؤں میری خواہش نہیں ہوتی
کِرنوں کی سَرِ آئینہ یُورش نہیں ہوتی

اَب عَزمِ سفر کیا کِسی منزل کا نشاں کیا
چل پڑتا ہوں اِس باب میں کوشش نہیں ہوتی

یہ تلخیِ اِظہار ہے بَس جوشِ خطابت
وَرنہ تو کِسی بات پہ رَنجش نہیں ہوتی

ہِل جاتا ہوں قائم ہو زمیں اپنی جگہ پر
ہِل جائے زمیں پاؤں میں جُنبش نہیں ہوتی

وہ خُوب ہی کھل کھیلا مِرے خانۂ جاں میں
اُس رَاحتِ جانکاہ سے پُرسش نہیں ہوتی

خوشبو کو سمو لینا سِتاروں کو پکڑنا
اِک جوشِ طرب ہوتا ہے لغزش نہیں ہوتی

......

لہجہ صدا نہ حرف رہی سادگی بہت
خاموش اضطراب مگر آگہی بہت

اِک خیمۂ سیاہ تھا دَشتِ خموش میں
لَو دے اُٹھی وہ بات ہوئی روشنی بہت

مانُوس ہوگئی ہے تو مُشکل نہیں یہ بات
آخر پُکار اُٹھے گی یہی خامشی بہت

کیا چیز تھی جو کھو گئی شہرِ وجُود سے؟
محفل میں ڈھونڈتی ہے اُسے زندگی بہت

آنکھوں کے خواب رَنگ ہیں سارے مہ ونجُوم
پھر خواب دیکھئے کہ ہے تیرہ شبی بہت

......

ادراک سے آتی ہوئی خبروں کا بھلا ہو
خبروں کو سناتے ہوئے لفظوں کا بھلا ہو

آئے ہیں اُفق چھان کے ہم جانے کہاں کا
اِک مطلعِ انوار ہے کرنوں کا بھلا ہو

حیرت ہے تو حیرت کی پذیرائی بہت ہے
بَس دیکھتی رہ جاتی ہیں آنکھوں کا بھلا ہو

گہرائی و گیرائی میں شورش نہیں ہوتی
دِل قُلزمِ خاموش ہے جذبوں کا بھلا ہو

اُڑتے ہیں ہواؤں پہ نہیں لگتے زمیں پر
خوابوں کی گزر گاہ پہ قدموں کا بھلا ہو

مُتلاشی ہوئے قلب ونظر اِن کے سبب سے
اَب تک کہیں مستُور ہیں جَلووں کا بھلا ہو

چَھٹنے لگا جو خانۂ جاں میں تھا اندھیرا
یُوں جلنے لگیں آنکھوں میں شمعوں کا بھلا ہو

خُوب سے ہیں خُوب تر رَنگِ دھنک دیکھا نہیں
میں کہیں زیرِ زمیں میں نے فلک دیکھا نہیں

چھوڑ کر آنکھیں کہیں آگے چلا جاتا ہوں میں
خاک ہی راہوں کی چھانی آج تک دیکھا نہیں

دو ستارے ہیں مِری خوابیدہ رَاتوں میں کہیں
جاگتی ہے کِس کی آنکھوں کی چمک دیکھا نہیں

رَنگ کیسے کھل اُٹھے پہچان مُشکل ہو گئی
آ رہی ہے جس گُلِ تر کی مہک دیکھا نہیں

کیسے جگنو تیرگی میں ڈھونڈتا ہے رَاستہ
کیسے آ جاتی ہے آنکھوں میں چمک دیکھا نہیں

اِک عزیزِ جاں رہا آباد مُجھ میں بے ثبات
ٹوٹتا رہتا ہے ہوتی ہے کھنک دیکھا نہیں

......

سکوتِ شب اِسے مِضراب کیوں ہے؟
اکیلا سازِ دِل بیتاب کیوں ہے؟

اگر اَیسا ہے ضبطِ غَم کا یارا
تو پَلکوں پر زَرِ سیماب کیوں ہے؟

ہر اِک تعبیر پتھرائی ہوئی ہے
زَمیں پر یہ طلسمِ خواب کیوں ہے؟

مرا دِل قُلزمِ خوں کا جزیرہ
جزیرہ آج تک غرقاب کیوں ہے؟

درونِ جاں ببُول اُگنے لگے ہیں
مگر ذوقِ نظر شاداب کیوں ہے؟

مزاجوں میں بہت گہرائیاں ہیں
خدا جانے گُہر نایاب کیوں ہے؟

......

مکاں پر تو گزرتی ہے یہاں پر
مگر لرزش گراں ہے لامکاں پر

تعلّق اُس کا ہوتا ہے زمیں سے
ستارہ ٹوٹتا ہے آسماں پر

تھکن رنجِ سفر ان راستوں کا
غُبار اُڑتا ہو جیسے کہکشاں پر

دَرُونِ جاں بہت تنہائیاں ہیں
عجب آئینہ خانہ ہے یہاں پر

یقیں کو نذر کر دی چشمِ بینا
گزارہ ہے فقط وَہم و گُماں پر

......

سَرِ قرطاس ہاتھوں سے چلُوں گا
میں لفظوں کے قدم آگے دھرُ وں گا

فلک سورج کی آنکھوں سے پڑھے گا
اگر میں کالی کِرنوں سے لِکھُوں گا

یہ لالہ گوں خموشی ہی بھلی ہے
کہا بھی گر تو خوشبُو میں کہُوں گا

ورق ہی میرا ملبُوسِ یقیں ہے
میں لفظوں کی نُمائش میں سجوں گا

جہاں لفظوں کی قندیلیں ہیں روشن
وہیں پر میں بھی سرتاپا جَلوں گا

مِرے پیچھے صدا اِک آ رہی ہے
ذرا آگے اُسے جا کر سُنُوں گا

بہت آوارہ و بے خانماں ہیں
میں خوابوں کو لئے کیونکر بسُوں گا

......

مجھے دیکھو زمیں سیراب دے کر
ثمر پاؤ رُتیں شاداب دے کر

ہوائے شب مِری نیندیں لئے جا
گزرتی جا مگر کُچھ خواب دے کر

اگر پتھر بھی ہو سینے میں دھڑکے
ذرا دیکھو اسے مِضراب دے کر

ستارو میرے لفظوں میں بھی آؤ
کتابوں میں درخشاں باب دے کر

تہوں میں جا چُھپے ہیں سارے موتی
کنارا اور سطحِ آب دے کر

گلو مُرجھاؤ لیکن پتھروں کو
لہو دے کر رَگِ سیماب دے کر

......

یہ کیا دِن ہے اندھیرا کِس قدر ہے!
اندھیرا بھی گھنیرا کِس قدر ہے!

نِگہ سے بے تعلُق روشنی ہے
غُبارِ غم نے گھیرا کِس قدر ہے!

دِیا ہاتھوں میں میرے بُجھ گیا ہے
دُرونِ جاں اندھیرا کِس قدر ہے!

عجب اِک پھول تھا اَب اِس چمن میں
خزاؤں کا بسیرا کِس قدر ہے!

مِری آنکھوں سے پھیلا منظروں تک
لہو اُس نے بکھیرا کِس قدر ہے!

بہت ہی. اعتناء تھا اُس کے رُخ پر
وہی رُخ اُس نے پھیرا کِس قدر ہے!

اندھیروں میں یہی اَب سوچتے ہیں
جہاں وہ ہے سویرا کِس قدر ہے!

......

قریہ قریہ کُو بہ کُو پاگل ہوا
ہر طرف اِک ہاؤہُو پاگل ہوا

شورِ طوفاں الامان و الحفیظ
کانپتے ہیں کاخ و کُو پاگل ہوا

پیشتر ہی جُھک گئے شاخ و شجر
کیا کرے گی تُند خُو پاگل ہوا؟

اَب کے سارا زور بیخ و بُن پہ ہے
جو ہے اصلِ رَنگ و بُو پاگل ہوا

بر سَرِ پیکار ہیں دونوں ابھی
خاکِ صحرا اور لہو پاگل ہوا

......

باز کبوتر شاخوں پر
اور تہمت ہے شاموں پر!

تاریکی کے لشکر کی
یورش نیم اُجالوں پر

داغ رہے ہیں جسموں کو
پھول کھلیں گے داغوں پر

خواب نہ ہوں آباد کہیں
پہرے نیند خرابوں پر

ہاتھوں کو ہے بھروسہ اَب
اُلٹے تیر کمانوں پر

کب کوئی سُورج اُبھرے گا؟
اب یہ شب کے ماروں پر

ذہن سے جو کچھ جھٹکا تھا
آن پڑا ہے کاندھوں پر

......

رَاتوں میں اُس رَات سا منظر پھر نہیں دیکھا
ماہِ مُنوّر وَیسا مُنوّر پھر نہیں دیکھا

سر مستی کا وَیسا عالم پھر نہیں پایا
خواب تو دیکھے خواب میں ڈھل کر پھر نہیں دیکھا

پھر نہ ہوا کہ پردے اُٹھیں اور بھید کُھلیں سَب
رُوح نے سُورج آنکھ نے منظر پھر نہیں دیکھا

تنگیِ داماں کے احساس میں ڈوب چلا تھا
اُس لمحہ میں جو تھا مُیتسر پھِر نہیں دیکھا

ہلکی ہلکی روشنیاں تقدِیس لئے تھیں
کوہ و دَمَن پر سایۂ اطہر پھِر نہیں دیکھا

کِس کے ظلِّ جلال میں ہستی گُم صُم سی تھی
سویا ہوا خاموش سمندر پھِر نہیں دیکھا

......

رہتے ہیں سفر میں ہمیں عادت ہے سفر کی
اَب بُھول گئے ہیں کوئی غایت ہے سفر کی

اَیسا تو نہیں ہے کہ ضرورت ہی نہیں ہے
اَیسا بھی نہیں ہے بڑی حاجت ہے سفر کی

کُلفت ہے سفر میں ہمیں شِکوہ تو نہیں ہے
پر شُکر بھی کیسے ہو جو حالت ہے سفر کی

اِک کارِ زیاں تھا جو رہے پا بہ گریزاں
بُھٹکیں گے ابھی اور جو شامت ہے سفر کی

مِلتے ہی نہیں حرف و صدا کتنی تھکن ہے!
جو بات بھی کہتے ہیں وہ بابت ہے سفر کی

......

کبھی آؤ ہماری زندگی میں
طلسمِ دشت دیکھو تیرگی میں

رہیں خاموش منظر پیش منظر
پسِ منظر تو آئے روشنی میں

ستارے لے گئے آنکھیں ہماری
گزرتی ہے عجب تیرہ شبی میں

بہت کچھ ہے ادھر مُوئے قلم سے
مگر ہے دِل کشی منظر کشی میں

ازل سے ایک رُت ہے ہجر کی رُت
کلی کِھلنے لگی ہے بے کلی میں

ہر اِک دیوار سے باہر ہے خوشبُو
چلیں دوگام اُس کی ہمرہی میں

کِرَن دیکھیں کِرَن پکڑیں اُچھالیں
مِلی اِک آگہی وارفتگی میں

......

یہیں اُتار گرایا یہیں پہ چھوڑ دِیا
پھر آسماں نہ دکھایا زمیں پہ چھوڑ دِیا

یہ کیا کہ جیسے گرا سر پہ آسماں کوئی!
یہ کیا کہ جیسے ستارہ جبیں پہ چھوڑ دِیا!

اِسی مکان میں اِک دَر ہے لامکاں کے لئے
اُسے تلاش کرے یہ مکیں پہ چھوڑ دِیا

نہ ہو گی کوئی بھی تکمیل جلوتوں میں فقط
ابھی بہت ہے جو خلوت نشیں پہ چھوڑ دِیا

فصِیل شام سے اُترا ہوں ایک رسم کے بعد
کہ اِک چراغ جلایا وہیں پہ چھوڑ دِیا

کِسی کی آنکھ تو ہو گی کوئی تو دیکھے گا
فلک سے خواب چُرایا زمیں پہ چھوڑ دِیا

......

کڑی ہے دُھوپ سائے کھو گئے ہیں
ہوا خاموش برگد سو گئے ہیں

اُڑا ہے اِس کا اَیسا کوئی جوہر
فضا کے رَنگ سارے کھو گئے ہیں

فسوں پُھونکا گیا کُچھ اِس طرح سے
چمن کے پھول پتھر ہو گئے ہیں

صبا کے سوگ میں موسم چمن کے
عذارِ گُل پہ شبنم رو گئے ہیں

دُھواں اُٹھتا ہے کالی آندھیاں ہیں
خزاں کے رَنگ گہرے ہو گئے ہیں

......

نقوشِ خامشی تحریر کر لے
کمالِ محویّت تدبیر کر لے

سوادِ بے پناہ و دلکشا کو
سکوتِ جانفزا تسخیر کر لے

سمن زارِ تنفّس جھومنے کو
طرب زارِ ہوا زنجیر کر لے

فسونِ لمحہ منظر میں ڈھلے تو
قلم کارِ نظر تصویر کر لے

اُفق زارِ نظر پر اِک عبارت
فہیمِ قلب و جاں تفسیر کر لے

فروغِ وحشتِ دِل رُک نہ جائے
درُونِ جاں خلا تعمیر کر لے

رمُوزِ بے خودی ظاہر نہ ہوں گے
وفُورِ بے خودی تشہیر کر لے

......

گر نہیں ہوتی سحر اِتنا تو ہو
جگنوؤں پر ہو نظر اِتنا تو ہو

گہری تاریکی میں گہرا ہو خیال
رات کے زیرِ اثر اِتنا تو ہو

کچھ شعُورِ جاں سے آتی ہو خبر
رُوح کے اندر سفر اِتنا تو ہو

سوچنے والی سمندر ذات ہو
جس میں پڑتے ہوں بھنور اِتنا تو ہو

کوئی ہو خورشید سینے میں نہاں
اور ماتھے پر قمر اِتنا تو ہو

......

سرِشتِ سنگ ابریشم لئے ہے
شرر بھی دیدۂ پُرنم لئے ہے

سُنو اُس کے معانی پر نہ جاؤ
مَلامت کا بیاں سَرگم لئے ہے

کبھی جلنے نہ پایا دستِ گُلچیں
گُلِ آتش بجاں شبنم لئے ہے

فضا نے بے سبب اِس کو اُچھالا
ہوا کا گیت سُر مدھم لئے ہے

پیئے سب دُھوپ بارش ظرف اَیسا
کہ پیمانہ سبھی موسم لئے ہے

ابھی ہے جُرأتِ اِظہار باقی
خموشی ہاتھ میں پرچم لئے ہے

......

خاک ہونے سے کچھ نہیں ہوتا
اشک بونے سے کچھ نہیں ہوتا

راستے گھوم پھر کے لوٹ آئے
بوجھ ڈھونے سے کچھ نہیں ہوتا

خواب آخر کو خواب ہی نکلے
صرف سونے سے کچھ نہیں ہوتا

بام پر آج بھی ستارہ نہیں
شام ہونے سے کچھ نہیں ہوتا

خوں فشانی کا اب رواج نہیں
اور رونے سے کچھ نہیں ہوتا

AIM PUBLICATIONS
4th Floor, #1, Din Plaza,
GT Road, Gujranwala, Pakistan.
Tel+Fax: +92-0431-844774